May
2024

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

جمہوریت کی ایک صحت مندانہ علامت

’’کسی جمہوری ملک میں حکومت کی تبدیلی اور ایک پارٹی سے دوسری پارٹی کی طرف اقتدار، قیادت اور ملک کے نظم ونسق کے اختیار کا منتقل ہونا کوئی انوکھی، تشویش انگیز اور پریشان کن بات نہیں بلکہ یہ جمہوریت کی ایک صحت مندانہ علامت ہے۔ ایک ہی پارٹی کے ہاتھ میں ملک کے اقتدار اور نظم ونسق کا مستقل طور پر یا بلا استحقاق وترجیح مدت دراز تک رہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا پٹہ اس کے نام لکھ دیا گیا ہے اور اہل ملک پسند کریں یا ناپسند کریں، ان کے مسائل حل ہوں یا نہ ہوں، ان کو اسی کے زیر اقتدار رہنا ہے۔‘‘

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
دارعرفات رائے بریلی

نسل آدم کی سب سے بڑی شوخ چشمی

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

’’آج امید وکامیابی کے جس آفتاب سے غیروں کے ایوانِ اقبال روشن ہورہے ہیں، کبھی ہمارے سروں پر بھی چمک چکا ہے اور جس بہار کے موسم عیش ونشاط سے ہمارے حریف گذر رہے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ ہمارے باغ وچمن ہی میں اس کے جھونکے آیا کرتے تھے، اب کس سے کہیے کہ کہنے کا وقت ہی چلا گیا ؎

گذر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

ہم ہمیشہ سے ایسے نہیں ہیں جیسے کہ اب نظر آرہے ہیں، زمانہ ہمیشہ ہم سے برگشتہ نہیں رہا، مدتوں امید کا ہم میں آشیانہ رہا ہے، بلکہ ہمارے سوا اس کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا، اب دنیا میں ہمارے لیے ماتم ونا امیدی، دو ہی کام کرنے کے لیے باقی رہ گئے ہیں، لیکن زیادہ دن نہیں گذرے کہ ہماری زندگی کے لیے اس دنیا میں اور بھی بہت سے کام تھے۔

بہتر ہے کہ اس بارے میں میری زبان پر صاف صاف سوالات ہوں، پھر کیا وقت آگیا ہے کہ ہم ہمیشہ مایوس ہوجائیں؟ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ امید ویاس کی تقسیم میں ایک ہمارے لیے صرف یاس ہی رہ گئی ہے اور تکمیل فنا میں جس قدر وقت باقی رہ گیا ہے اس میں صرف رفتہ کا ماتم اور آئندہ کی نا امیدی دو ہی کام کرنے کے لیے باقی رہ گئے ہیں؟ کیا جو کچھ ہورہا ہے، ہماری زندگی کی آخری مساعات اور موت کے احتضار کی آخری حرکت ہے؟ کیا چراغ میں تیل ختم ہوگیا اور بجھنے کا وقت قریب ہے؟

ممکن ہے کہ مایوسی کا غلبہ میرے اعتقاد کو مغلوب کرے، اس لیے ممکن ہے کہ میں تسلیم کرلوں کہ ہمارے مٹنے کا وقت آگیا ہے، مگر میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلم قلب جس میں ایک ذرہ بھی برابر نور اسلام باقی نہیں ہے، ایک منٹ، ایک لمحہ، ایک دقیقے اور ایک عشیر دقیقے کے لیے بھی اس کو مان سکتا ہے کہ اسلام کے مٹنے کا وقت آگیا ہے۔ انسانوں ہی نے ہمیشہ انسانوں کو مغلوب کیا ہے اور نئی قوموں نے ہمیشہ پرانی قوموں کی جگہ لی ہے، انسان کا حریف اس عالم میں دیو نہیں بلکہ انسان ہی ہے۔ پس یہ کوئی عجیب بات نہیں، اگر ہم کو ہمارے صد سالہ دشمن آج مغلوب کرکے فنا کردیں، مگر اے خدا کی رحمت کی توہین کرنے والو! میں یہ کیوں کر مان لوں کہ ایک مصلوب لاش حی وقیوم خدائے ذوالجلال کو مغلوب کرسکتی ہے اور مایوسی خواہ کتنی ہو مگر کیوں کر تسلیم کرلوں کہ انسانی گروہ خدائے قادر وذوالجلال کی جبروت وکبریائی کو شکست دے سکتا ہے۔

حیران ہوں کہ آج مسلمان مایوس ہورہے ہیں، حالانکہ میں تو کفر ومایوسی کے تصور سے کانپ جاتا ہوں، کیونکہ یقین کرتا ہوں کہ مایوس ہونا اس خدائے ذوالجلال والاکرام کی شان رحمت وربوبیت کے لیے سب سے بڑا انسانی کفر اور اس کی جناب میں سب سے زیادہ نسل آدم کی شوخ چشمی ہے۔‘‘

(قانون عروج وزوال: ۱۱۵-۱۱۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۶ | مئی ۲۰۲۴ء - ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ | شمارہ: ۵

دانش مندی کا تقاضا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں (یعنی ظلم نہ روک دیں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا عذاب لوگوں پر عام کردے۔)

(سنن الترمذی: ۲۳۲۱)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15

E-Mail: markazulimam@gmail.com

سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

یک لحظہ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

سیاسی تبدیلی ایک صحت مندانہ علامت.....۴

.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

جمہوری نظام میں ملت اسلامیہ کی حکمتِ عملی کیا ہو؟.....۵

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

علمی دنیا کی سب سے بڑی خدمت.....۷

.....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟.....۹

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

طلاق کے چند مسائل.....۱۲

.....مفتی راشد حسین ندوی

شریعت محمدیؐ - دائمی راہِ نجات.....۱۴

.....عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی

فلسطینی بھائی بہنوں نے صحابہ کی یادیں تازہ کردیں.....۱۶

.....مولانا محمد زاہد حسین جمشید پوری ندوی

آپ ﷺ اور حقوقِ نسواں.....۱۷

.....محمد امین حسنی ندوی

پارلیمانی انتخابات اور مسلمانوں کی ذمہ داری.....۱۹

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

سکونِ منزلِ مقصود کے تمنائی!

مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

اگرچہ لذتِ کام ودہن فراہم ہے
مگر دلوں پہ بڑی بے کسی کا عالم ہے

نہ پاس مہر ووفا ہے نہ ربط باہم ہے
نجوم طعنہ بلب ہیں یہ ابن آدم ہے

نہ خم ہوا تھا کسی در پہ جو خدا کے سوا
وہ سر خدا کے سوا آج ہر جگہ خم ہے

بہت ہے عشق کو اک التفاتِ درِ پردہ
مگر ہوس کو نشاطِ دوام بھی کم ہے

زباں پہ عیش کے نغمے دلوں میں شورشِ غم
یہ زندگی تو نہیں ـــــ زندگی کا ماتم ہے

میں چل پڑا ہوں اسی منزلِ حسیں کی طرف
کہ جس کی راہ میں کرب وبلا مسلّم ہے

نہ اضطراب، نہ درد وخلش، نہ سوز وگداز
دلِ خراب ہمیں تیری موت کا غم ہے

یہ کس مقام پہ لایا ہے مجھ کو دل کہ جہاں
ہر ایک تازہ جراحت کا نام مرہم ہے

سکونِ منزلِ مقصود کے تمنائی!
یہ ہم سے پوچھ محبت جہادِ پیہم ہے

ہوا ہے جوشِ عمل اور بھی فزوں عامرؔ
خدا کا شکر کہ ہم سے زمانہ برہم ہے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

انتخابات کا سلسلہ جاری ہے، ملک اس وقت ایسے دوراہے پر کھڑا ہے کہ ذراسی چوک اس کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے، ''یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد'' کی تعبیر اس وقت سامنے ہے، ذراسی غفلت اور بے شعوری ملک کے مستقبل کو داؤں پر لگا سکتی ہے۔اس وقت بڑی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے جنہوں نے ہندو بھائیوں کو ساتھ لے کر اس ملک کی آزادی میں بنیادی کردار ادا کیا، یہاں کے لیے جو قانون بنایا گیا وہ یہاں کے مختلف طبقات کے لیے ان کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنایا گیا اور اس میں اس ملک کے خمیر کا خیال رکھا گیا، تین باتیں یہاں کی بنیادوں میں شامل ہیں؛ جمہوریت (Democracy) عدم تشدد (non violence) اور سیکولرزم (secularism)۔اگر یہ بنیادیں نہ رہیں تو پورا ملک خطرہ میں پڑ جائے گا۔

یہاں کی تاریخ بتاتی ہے کہ مختلف مذاہب اور مختلف طبقات کے لوگ ہمیشہ یہاں محبت واعتماد کے ساتھ رہے ہیں اور سب نے مل کر ملک کو مضبوط کرنے کا کام کیا ہے، اسی روایت کو دہرانے کی ضرورت ہے، اگر یہاں ذات' مذہب کی بنیاد پر لوگوں کو بانٹا جائے گا تو اس سے ملک خطرہ میں پڑ جائے گا، ان حالات میں گھر میں بیٹھ رہنا، اپنے ذاتی یا اجتماعی ضرورتوں کی وجہ سے اس بنیادی ضرورت کو نہ سمجھنا اور اس کے لیے وقت نہ دینا انتہائی ناعاقبت اندیشی کی بات ہے اور یہ سمجھنا کہ ایک دو ووٹ کیا اثر انداز ہوں گے ایک بہت بڑی بھول ہے۔''قطرہ قطرہ دریا می شود'' ہر شخص اگر یہی سوچ لے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟! قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے رعایا کا امتحان لینے کے لیے ایک تالاب بنوایا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس میں ایک ایک لوٹا دودھ کا رات کی تاریکی میں ڈال دیں، لوگوں نے سوچا کہ سب ہی دودھ ڈالیں گے' ہم ایک ایک لوٹا پانی ڈال دیں گے تو کیا فرق پڑتا ہے، دیکھا گیا تو صبح پورا تالاب پانی سے بھرا تھا۔آدمی سوچتا ہے سب ہی کر رہے ہیں، ہم نے نہ کیا تو کیا فرق پڑے گا، یہ ایک بہت بڑی چوک ہے۔اس سے کبھی کبھی بہت بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

پھر ایک سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ اللہ مدد کرنے والوں کے ساتھ ہے، آدمی قدم نہ بڑھائے اور حالات بہتر کرنے کے لیے جو وہ کر سکتا ہے وہ بھی نہ کرے تو اللہ کی مدد بھی اٹھ جاتی ہے۔اس لیے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ ذمہ داری ہر شخص کی ہے، وہ کتنا ہی دین دار ہو اور دینی کاموں میں مشغول ہو لیکن ملک کی ضرورت بلکہ انسانیت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اسے بھی آگے بڑھنا ہے، ایک ووٹ کی بھی بڑی قیمت ہے۔

اس کے ساتھ ایک عمومی محنت افہام وتفہیم کی ہے، ذہنوں کو جس طرح مسموم کیا گیا ہے، ان کے زہر کا تریاق بھی ہمارے پاس موجود ہے، انسان کو اللہ نے دھڑکتا ہوا دل دیا ہے، وہ کسی کی محبت کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر بھی محبت پیدا ہوتی ہے اور جب نفرت کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر بھی نفرت کی آگ بھڑکنے لگتی ہے، تھوڑی سی قربانی کے ساتھ اس آگ کو بجھانا ہے، ہوسکتا ہے بجھانے میں آگ کی کچھ لپٹیں بجھانے والوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں لیکن آگے پھر میدان قربانی دینے والوں کا ہے، دنیا بدلتی ہے، وہ زمانہ کا رنگ دیکھتی ہے اور ذمہ داری بنیادی طور پر مسلمانوں کی ہے، ایک فوری کام ہے ووٹنگ کا پھر مستقل کام ہے ذہن ودماغ تک پہنچنے کا اور دل کے دروازوں پر دستک دینے کا، زمانہ منتظر ہے آپ کا، اگر ہم اور آپ اب بھی نہ جاگے تو شاید آنے والا وقت ہم کو معاف نہ کر سکے۔

سیاسی تبدیلی ایک صحت مندانہ علامت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کسی جمہوری ملک میں حکومت کی تبدیلی اور ایک پارٹی سے دوسری پارٹی کی طرف اقتدار، قیادت اور ملک کے نظم ونسق کے اختیار کا منتقل ہونا کوئی انوکھی، تشویش انگیز اور پریشان کن بات نہیں بلکہ یہ جمہوریت کی ایک صحت مندانہ علامت ہے۔ ایک ہی پارٹی کے ہاتھ میں ملک کے اقتدار اور نظم ونسق کا مستقل طور پر یا بلا استحقاق وترجیح مدت دراز تک رہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا پٹہ اس کے نام لکھ دیا گیا ہے اور اہل ملک پسند کریں یا ناپسند کریں، ان کے مسائل حل ہوں یا نہ ہوں، ان کو اسی کے زیر اقتدار رہنا ہے۔ اگر کوئی پارٹی یا قیادت (اپنی کوتاہیوں یا خامیوں یا کسی غلط اور مبالغہ آمیز مخالف تاثر کی بنا پر) اقتدار سے محروم ہوجاتی ہے اور دوسری پارٹی اس کی جگہ لیتی ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ سابقہ پارٹی اپنی جدوجہد، حقیقت پسندی اور اصلاح وترقی کے بعد پھر اقتدار میں آسکتی ہے اور نئی اقتدار میں آنے والی پارٹی اپنی خامیوں اور کوتاہیوں اور اپنے کیے ہوئے وعدوں کو پورا نہ کرنے کی بنا پر اقتدار سے محروم ہوسکتی ہے۔ اس طرح ہر سیاسی پارٹی اور قیادت کو جدوجہد کرنے کا نہ صرف موقع ہے بلکہ اس کے لیے ایک طاقتور محرک اور اپنے کو مفید سے مفید تر بنانے اور قیادت کا اہل ثابت کرنے کا ذریعہ ہے جو بہرحال ملک وعوام کے مفاد میں ہے۔

کسی سیاسی پارٹی یا قیادت کا بلا ترجیح واستحقاق کے مدت دراز تک منصب قیادت پر فائز رہنا اور ملک کے نظم ونسق پر حاوی اور قابض رہنا بہت سی خرابیوں کا باعث ہوسکتا ہے۔ ایسی اجارہ داری (Monopoly) کی شکل میں اس جمہوری حکومت اور سیاسی وآئینی حکمراں جماعت میں وہ سب معائب اور کمزوریاں پیدا ہوسکتی ہیں جو زمانہ سابق میں طویل المیعاد خاندانی وموروثی سلطنتوں اور حکمراں خاندانوں میں پیدا ہوئیں اور جن کی تفصیلات اور مثالیں ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں۔ یہ فطرت انسانی ہے جس سے بچنا اور جس پر غالب آنا تقریباً خلاف فطرت اور بعید از قیاس ہے۔

لیکن حکومتوں اور پارٹیوں کی اس تبدیلی سے کہیں زیادہ مضر اور خطرناک بات یہ ہے کہ ان اسباب پر غور نہ کیا جائے جو سابق حکمراں جماعت کے زوال کا باعث ہوئے اور انہوں نے اس تبدیلی کے لیے راہ ہموار کی اور ان واقعات، تجربات اور لوگوں کے خیالات وتاثرات سے فائدہ نہ اٹھایا جائے جو سابق حکومت اور انتظامیہ کے بارے میں ان کی کوتاہیوں کے عمومی ردِّعمل (Reaction) کے طور پر پیدا ہوئے تھے۔ تاریخ عالم کا ایک اچھا طالب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ زمانہ سابق میں ان حکومتوں شہنشاہیوں کو بھی زوال کا سامنا کرنا پڑا جن کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا اور وہ اس وقت کی متمدن دنیا کے بڑے حصہ پر قابض تھیں، جب انہوں نے واقعات، حقائق اور ضروریات ومسائل سے آنکھیں بند کرلیں اور پیش آنے والے واقعات سے کوئی سبق نہیں لیا۔ اس سلسلہ میں قدیم تاریخ میں ''رومۃ الکبریٰ'' (The Great Roman Empire) کا اور عہد قریب میں برطانیہ اور فرانس کا نام لیا جاسکتا ہے جو کثیر التعداد نوآبادیوں اور ایشیا وافریقہ کے متعدد ممالک پر حکومت کررہے تھے۔ کمیونسٹ روس کی موجودہ قیادت نے بھی اپنے نظام کی بعض کمزوریوں اور زندگی، نظم ونسق اور ملک کی خوش حالی وترقی کی راہ میں اپنی ناکامیوں اور خامیوں کا اعتراف کیا ہے اور اس کی روشنی میں بعض اصلاحات اور تبدیلیوں کے لیے (احتیاط وتحفظ کے ساتھ) قدم اٹھایا ہے اور اسی اخلاقی جرأت وحقیقت پسندی کی بنا پر یورپ کی متعدد کمیونسٹ حکومتوں اور ملکوں میں (محدود ومحتاط پیمانے پر) تبدیلیاں آرہی ہیں۔ خود چین میں بھی اس بے چینی اور آزادی خیال کی پرچھائیاں نظر آرہی ہیں اور ایسا ہونا ضروری ہے اور یہ سوچنے سمجھنے والے دماغ اور رواں دواں زندگی کا خاصہ ہے۔

جمہوری نظام میں ملت اسلامیہ کی حکمت عملی کیا ہو؟

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

جمہوری نظام میں ملک کے تمام باشندوں کو انسانی حقوق میں برابری حاصل ہوتی ہے اور ملک کا دستور اس کی ضمانت دیتا ہے، عدالت اس کا کنٹرول کرتی ہے اور اس سلسلہ میں اکثریتی اور اقلیتی افراد دونوں کو یکساں حیثیت حاصل رہتی ہے، لیکن اس کا نفاذ خود اکثریت واقلیت کے افراد کی فکر وتوجہ کے مطابق ہی عمل میں آتا ہے۔ اکثریت کے افراد کو اپنی اکثریت کی بنیاد پر نظام حکومت میں نسبتاً برتری حاصل ہوتی ہے، اس برتری کی بنا پر ثقافتی واقتصادی حقوق کو زیادہ بہتر طریقہ سے حاصل کرنے کا ان کو زیادہ موقع حاصل ہوجاتا ہے، جس کی بنا پر اقلیت کے افراد کو کمی سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن اس کمی کو اگر قانونی بنیاد پر وہ دور نہ کرا سکتے ہوں تو اس کو اپنی نجی تدبیروں نیز توجہ اور فکر مندی سے پورا کر سکتے ہیں، دنیا کی بیدار مغز اور حوصلہ مند اقلیتیں اس ضرورت کو محسوس کرتی ہیں اور اپنی ملت کی ضرورتوں کے لیے اپنے نجی غیر حکومتی ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرگرم عمل ہوتی ہیں اور اپنی اس ہوش مندی سے اکثریت کے مقابلے میں پیچھے نہیں رہتیں، بلکہ بعض وقت آگے بڑھ جاتی ہیں، اس کی مثالیں عہد حاضر میں بھی مختلف ملکوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، لیکن اگر کوئی اقلیت حالات کا جائزہ لینے میں کوتاہی کرتی ہے اور اس کے رہنما حقیقت پسندی سے دور اور ذمہ داروں کی ظاہر داریوں پر اعتماد کر لینے والے اور حالات کے مطابق طرز عمل اختیار نہ کرنے والے ہوتے ہیں تو اقلیت اپنے ملکی اور انسانی حقوق کے حصول میں بے توجہی کا شکار ہوتی ہیں اور اکثریت کے مقابلہ میں پیچھے چلی جاتی ہیں۔

ہندوستان بھی ان ملکوں میں ہے جہاں اکثریت واقلیت کا معاملہ توجہ چاہتا ہے۔ یہاں مسلمان قابل ذکر اقلیت میں ہیں اور اقلیت معمولی نہیں بلکہ بڑی اقلیت ہے، جس کی اپنی مذہبی، تہذیبی اور سماجی قدریں ہیں اور یہ قدریں ایسی ہیں کہ ان سے دست بردار نہیں ہوا جاسکتا، وہ کوئی محدود یا مقامی حیثیت کی سماجی اکائی نہیں ہیں کہ اپنے اردگرد کے ماحول میں ضم ہوجائیں، وہ اپنی وسیع اور بین الاقوامی برادری رکھتے ہیں، جس سے ان کے مذہبی اور اخلاقی طور پر بنیادی روابط ہیں، وہ اپنی اس برادری سے بالکل بے تعلق نہیں ہوسکتے اور انہوں نے اپنے ماضی کی تاریخ میں جو مخصوص علمی وتہذیبی ورثہ پایا ہے اس سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتے۔ لیکن مقامی لحاظ سے وہ ملک کی اکثریت کے ساتھ ہیں، جو وطنی وابستگی رکھتے ہیں اور ملک کا جو مشترک دستور ہے وہ اس کے تقاضوں اور ذمہ داریوں کے پوری طرح پابند ہیں، لہٰذا دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہم کو ملک کا دستور جو حقوق دیتا ہے ان کو ہم جمہوری اصولوں کے مطابق کس طرح حاصل کر سکتے ہیں اور ہماری ضرورت کی تکمیل میں جو کمی ہوتی ہے اس کو ہم کس طرح دور کر سکتے ہیں۔

ہماری سب سے بڑی ضرورت ملک کے اندر اپنی باعزت زندگی قائم کرنے اور اس کو بہتر بنانے اور ترقی کی موجودہ دوڑ میں پیچھے نہ رہنے کے لیے جو امکانات اور وسائل ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کی ہے۔ ہم کو دیکھنا ہے کہ اس میں ہماری صورت حال کیا ہے اور ہم کو کیا کرنا ہے؟ حصول آزادی کے بعد ملک ترقی کے راستہ میں ہے، ہم کو دیکھنا ہے کہ اس میں ہمارا کیا حصہ ہے اور ترقی کے حصول اور قومی واخلاقی زندگی میں بہتر صورت حال حاصل کرنے میں ہمارا کیا مقام ہے؟ حقیقت احوال کے سلسلہ میں ہم کو سنجیدہ اور تعمیری انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں صرف حق تلفی کرنے والوں کے خلاف محض آواز اٹھانے سے مسئلہ بہت کم حل ہوتا ہے، آواز اٹھانا غلط نہیں ہے، البتہ اس سے زیادہ ٹھوس عملی کوششوں کی ضرورت ہے۔

اس کے لیے ہم کو تعلیم کے نجی ذرائع اور ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال اور ہم وطنوں کے درمیان ٹکراؤ پیدا کرنے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس وقت ملک کے اندر شکوہ شکایت، خودغرضیوں اور فرقہ وارانہ ٹکراؤ کا جو ماحول بن گیا ہے اس کو ہم مذکورہ بالا طریقوں سے بہت حد تک دور کر سکتے ہیں اور اس کے ذریعہ ہم اپنے جمہوری اور وطنی حقوق کو زیادہ بہتر طریقہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کو سب سے زیادہ جس چیلنج کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے مذہبی اور ملی تشخص کو مٹانے اور ان کے تاریخی کردار کو بگاڑ کر پیش کرتے ہوئے ان کو ایک تشدد پسند ملت قرار دیا جارہا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی تاریخی اور مذہبی یادگاروں وآثار قدیمہ کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ایک طرف ذرائع ابلاغ کو مؤثر ڈھنگ سے اختیار کریں اور دوسری طرف ادبی وثقافتی سیمیناروں اور اخلاقی ملاقاتوں اور گفتگو کے ذرائع سے بھی کام لیں، اس سے کم از کم معاندانہ مقصد نہ رکھنے والے ذہنوں کی غلط فہمیاں دور کی جاسکتی ہیں۔ کوئی بھی قوم ہو اس میں معتدل سوچ رکھنے والوں ہی کی اکثریت ہوتی ہے، جن کو صورت حال سے نہ صرف واقف کرایا جاسکتا ہے بلکہ ہم نوا بنایا جاسکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ معاندانہ ذہنیت کی کارفرمائی کا مقابلہ قانونی ذرائع سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس طریقہ کار کا فائدہ ان کے خلاف محاذ آرائی اور ٹکراؤ کے طریقوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ رائج الوقت ٹکراؤ فریق مخالف میں بھی ٹکراؤ اور جوش پیدا کرتا ہے اور چونکہ اقلیت واکثریت کے مابین جو تناسب ہے اس سے وہ مسلمانوں کے حق میں نہیں جاتا، لہٰذا مسلمان نقصان اٹھاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تدابیر کے پہلو کو اختیار کرنے کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کے پہلو کی طرف بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ حرام مال اور ناجائز اعمال میں آلودگی مسلمانوں کے معاشرہ میں بہت عام ہوگئی ہے۔ اس کو بدلنے کی طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ قومی اور انفرادی دونوں طرح سے حالات خدا کے علم واختیار کے دائرہ میں ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی اس کی رضا کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

کامیاب الیکشن

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

’’جمہوری نظام حکومت میں الیکشن تشکیل حکومت کا واحد ذریعہ ہوتا ہے، اگرچہ اس کے طریق کار اور دائرہ کار میں مختلف ممالک میں واضح فرق پایا جاتا ہے، تاہم وہ جمہوری نظام کے لیے خواہ اس کا طریق کار اور اس کی شکل کسی نوعیت کی ہو لازمی شرط ہے اور کسی بھی پارلیمانی سیاسی نظام میں اس سے مفر نہیں، لیکن عوام کی رائے صرف اسی الیکشن سے جانی جاسکتی ہے جو آزادانہ ماحول میں ہو اور حکومت کی مداخلت یا سرکاری دباؤ سے وہ متاثر نہ ہو اور کوئی آزاد ادارہ اس کا نظم کرے، حکومت اس کے نظام میں غیر جانب دار ہو اور اس کے نتائج کا احترام کیا جائے، ایسی شکل میں یہی نتائج عوام کے موقف اور قائم ہونے والی حکومت کے نظام عمل اور ان کی سیاست کے بارے میں روشن پالیسی کو واضح کرتے ہیں۔‘‘ (نیا عالمی نظام اور ہم: ۱۳۲)

علمی دنیا کی سب سے بڑی خدمت

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

آپ مانیں یا نہ مانیں دور یہ تعلیم کا ہے، علم کے حصول کا ہے، مدرسوں اور اسکولوں کا ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہے، ٹیوشن اور کوچنگ کا ہے، بستے ہیں کہ پھولتے جارہے ہیں، کاندھے ہیں کہ ان کے بوجھ سے جھکتے جارہے ہیں، ڈونیشن اور فیس نے باپ کی کمر توڑ دی، اسکول کی تیاری نے ماں کی نیند اڑادی، ہوم ورک کی زیادتی نے معصوم طلبہ کے چہروں سے ان کی مسکراہٹ چھین لی۔

لیکن ایک سنہرے مستقبل کی امید میں ماں باپ کو یہ سب گوارہ، آخر وہ مستقبل حال میں بدلتا ہے، لیکن افسوس کہ تب تک ماں باپ کے خوابوں کا وہ شیش محل چکنا چور ہو چکا ہوتا ہے، بڑھاپا ہے اور ایک لق ودق مکان کی حفاظت کا مسئلہ ہے، صاحبزادے جا چکے ہیں آسٹریلیا اور صاحبزادی کی رخصتی ہو چکی ہے کنیڈا، رہے وہ دونوں تو اب ان کی عمر کہیں جانے کی نہیں، آرزوئیں تمام دم توڑ چکی ہیں، تمنائیں ایک ایک کر کے سب رخصت ہو چکی ہیں، اب تو بس اپنی رخصتی کا منظر نگاہوں کے سامنے ہے، فکر ہے تو صرف اس بات کی کہ کیسے ہوگا یہ سفر، کس کے کاندھے پر ہوگا، زادسفر کہاں سے آئے گا، راستہ کی ضرورتیں کون پوری کرے گا، منزل تک پہنچانے کے فرائض کون انجام دے گا، میرا بچہ تو اس لائق نہیں، اس راہ سے وہ واقف نہیں، کہاں جانا ہے یہ اسے پتہ نہیں، سفر کی مدت کا اسے کچھ اندازہ نہیں، راستہ کی ویرانی، مسافر کی تنہائی اور مسافت کی دوری کا اسے کوئی علم نہیں۔

یہ ہے مستقبل اس نظام تعلیم وتربیت کا جس کے لیے اس وقت دنیا دیوانی ہے، ایسی دیوانی کہ نہ تو اسے عقیدہ کی پرواہ ہے، نہ اخلاق کی فکر ہے، نہ عبادات کا خیال ہے، نہ معاملات کے بگڑنے کا احساس ہے اور نہ طور وطریق بدلنے کا اسے کوئی ملال۔

جن کا آخرت پر ایمان نہیں ان سے تو کچھ کہنا ہی نہیں لیکن جو حضرات آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور ایک ابدی زندگی کا تصور رکھتے ہیں، ان سے کہنے کو ضرور یہ دل چاہتا ہے کہ وہ نظام تعلیم وتربیت جس کے پیچھے آپ اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہیں وہ ایک مخصوص مذہب، ایک مخصوص کلچر اور ایک مخصوص طرز فکر کی نمائندگی کرتا ہے، مادیت پر اس کی بنیاد ہے، روحانیت سے وہ بیزار ہے، قلب کی دنیا اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے، صرف مادی دنیا ہے جو ہمہ وقت اس کے پیش نظر ہے، رہی آخرت تو وہ اس کے ہاں صرف ایک خیال اور ایک افسانہ ہے، تو کیا ایسے نظام تعلیم کو جوں کا توں قبول کر لینا ہمارے لیے، ہمارے ملک کے لیے اور ہماری ملت کے لیے سودمند ہو سکتا ہے؟

ہم مانتے ہیں اور صرف مانتے ہی نہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے، اس میں دنیا بھی ہے اور آخرت بھی، جسم بھی ہے اور روح بھی، کمانا بھی اور خرچ کرنا بھی، اس میں رعایت ہے فرد کی بھی اور افراد کے مجموعہ کی بھی، اس میں اہمیت ہے خاندان کی بھی اور سماج اور معاشرہ کی بھی، مرد کی بھی اور عورت کی بھی، والدین کی بھی اور پڑوسیوں کی بھی، یتیموں کی بھی اور بیواؤں کی بھی، کمزوروں اور لاچاروں کی بھی اور ضعیف وناتواں بوڑھوں کی بھی، حتی کہ اس میں ہدایات ہیں معاندین ومخالفین کے لیے بھی اور حقوق ہیں غیر مسلم ہم وطن بھائیوں کے لیے بھی۔

اس سے انکار نہیں کہ مغربی نظام تعلیم کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مغرب نے اپنے اس نظام تعلیم کی بدولت سائنس، ٹکنالوجی، صنعت، حرفت، ریاضی، انجینئرنگ، فلکیات، طبیعیات اور دوسرے علوم وفنون میں کامیابی کی منزلیں طے کیں، ایجادات پر ایجادات کیں، چاند پر کمندیں ڈالیں، سمندر کی گہرائیاں ناپیں، فتوحات پر فتوحات حاصل کیں، یہاں تک کہ آج وہ اپنے اسی نظام تعلیم کی بدولت اس منزل تک پہنچ گیا کہ اس نے دنیا کو اپنی مٹھی میں کر لیا لیکن ساتھ ساتھ اس نے انسان کو بحیثیت انسان کے جینے سے محروم کر دیا، امن کو غارت کیا، سکون کو برباد کیا، خاندانی نظام کو درہم برہم کیا، دلوں کو محبتوں سے خالی کیا اور اس کی شکل بدل کر اس کو ایک تجوری بنا دیا۔

جسم کی ضرورتوں سے کس کو انکار، آرام وراحت سے کس کو بیر، فرد کی اہمیت کسے تسلیم نہیں، ذاتی نفع ونقصان کی کس کو فکر نہیں، دنیاوی

ترقی کی تمنا کس کے دل میں نہیں لیکن روح کو نظر انداز کر کے، آخرت کو فراموش کر کے، انسان کی انسانیت کو پامال کر کے، سماجی تقاضوں کو پس پشت ڈال کے، ماں باپ، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے ناطہ توڑ کے صرف اپنی ذات تک اپنی سوچ کے دائرہ کو محدود کر لینا، یہ طرز عمل جانوروں کا تو ہوسکتا ہے کسی انسان کا نہیں، جنگل میں تو اس طریقہ سے رہا جاسکتا ہے لیکن انسانی آبادی میں نہیں۔

یقیناً ہر قوم کو ضرورت پڑتی ہے ڈاکٹروں کی، انجینئروں کی، سائنس دانوں کی، صنعت کاروں کی، قانون دانوں کی، ریاضی کے ماہرین کی اور دوسرے علوم وفنون میں دسترس رکھنے والوں کی، مسلم معاشرہ کو بھی ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، لیکن اسلامی تعلیمات کے ساتھ، اعلیٰ انسانی قدروں کے ساتھ، ہمدردی وغمخواری کے جذبہ کے ساتھ، دوسروں کے دکھ درد کے احساس کے ساتھ اور یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں تو اسلامی نظام تعلیم وتربیت کے مرحلہ سے گذر کر۔

ہوسکتا ہے کہ میری ان باتوں سے آپ کو اتفاق نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی زبان نہیں تو دل ضرور کچھ اس طرح گویا ہو کہ کس نظام تعلیم وتربیت کی آپ بات کرتے ہیں، وہ نظام تعلیم جس کے پروردہ اشخاص کے پاس نہ دین ہے نہ دنیا، جنت ودوزخ کے تذکرے تو بہت کرتے ہیں لیکن نہ دوزخ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ جنت میں جانے کی کوئی فکر، دین بیچتے ہیں اور دنیا خریدتے ہیں، شہرت وناموری کے دل دادہ اور کبر ونخوت میں ڈوبے ہوتے ہیں، نہ ان کے یہاں قناعت ہے، نہ توکل ہے، نہ زہد ہے، نہ استغنا ہے، نہ ایثار ہے، نہ ہمدردی ہے اور نہ تقویٰ۔

تو کیا ایسی صورت میں اس نظام تعلیم وتربیت سے کوئی اچھی امید لگائی جاسکتی ہے؟ جی ہاں! بشرطیکہ آپ اس نظام سے جڑیں، خرابی نظام کی نہیں، دانش گاہوں کی نہیں، تربیتی اداروں کی نہیں، خانقاہوں اور مدرسوں کی نہیں، نصاب تعلیم کی نہیں، خرابی ان لوگوں کی ہے جو اس نظام سے جڑتے ہیں، لیکن دنیاوی مقاصد کی تکمیل کے لیے اور اپنی مادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے، آپ جڑیں نیت کی درستگی کے ساتھ، اخلاص کے جذبہ کے ساتھ، عمل کے ارادے کے ساتھ، پھر دیکھئے انسانیت کی کھیتی کیسے لہلہاتی ہے اور انسان کو اس کا کھویا ہوا مقام کیسے واپس ملتا ہے۔

ضرورت آج قدیم وجدید میں توازن پیدا کرنے اور ان کا صحیح استعمال کرنے کی ہے، علم قدیم ہو یا جدید ہو، ہر علم خدا کا دیا ہوا ہے، ہر علم خدا تک پہنچاتا ہے، ہر علم اپنے اندر افادیت رکھتا ہے، ہر علم مشکلات میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے، بشرطیکہ اس کا حصول رب کے نام کے ساتھ ہو، خدا کے تصور کے ساتھ ہو، جواب دہی کے احساس کے ساتھ ہو۔

جدید کہے جانے والے علوم کا المیہ یہ ہے کہ خالق کائنات سے ان کا ربط ٹوٹ گیا، اسم ''رب'' سے ان کا رشتہ منقطع ہوگیا، قدیم کہے جانے والے علوم کا مسئلہ یہ ہے کہ ان سے وابستہ افراد کا سب سے بڑا سرمایہ اخلاص تھا، اب وہی اخلاص دھیرے دھیرے ان کی زندگیوں سے نکلتا جارہا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مرتبہ گاندھی جی کی کلکتہ آمد کے موقع پر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے طلبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا: گاندھی جی، دنیا میں صرف یہی وہ جماعت ہے جو علم کو برائے علم اور برائے رضائے الٰہی حاصل کرتی ہے، لیکن افسوس کہ آج یہ جماعت بھی اپنا امتیاز کھوتی جارہی اور دنیا کی رنگینیوں میں گم ہوکر اپنے ماضی سے اپنا رشتہ کمزور کررہی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ سماج کے ہر طبقہ کو اس کا نقصان اٹھانا پڑرہا ہے۔

انسان کی ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے علم کو تقدس کا درجہ دے دیا ہے، اس نے علم کو غلطی کرنے اور دھوکہ کھانے سے مبرا سمجھ لیا ہے، آج دنیا کا سارا بگاڑ اسی تصور کا نتیجہ ہے، علم غلطی کرتا ہے، دھوکہ کھاتا ہے، چوک اس سے ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ علم آسمانی تعلیمات وہدایات کی رہنمائی میں اپنا سفر طے کرے اور احکام الٰہی کا پابند اور اس کا تابع ہوکر اپنا کردار ادا کرے۔

آج ضرورت ہے جدید علوم کو خدا کے نام سے جوڑنے اور قدیم علوم سے وابستہ افراد میں اخلاص پیدا کرنے اور ان میں رضائے الٰہی کے جذبہ کو فروغ دینے کی، یہی اس وقت علمی دنیا کی سب سے بڑی خدمت اور انسانی دنیا کی اہم ترین ضرورت ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کے دنیاوی واخروی فوائد:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً☆وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾(الطلاق: ۲-۳) (اور جو اللہ کا لحاظ رکھے گا اللہ اس کو (مشکل سے) نکلنے کا کوئی راستہ عطا فرمادے گا اور اس کو بے سان وگمان رزق عطا فرمائے گا)

قرآن کی متعدد آیات میں تقویٰ کے فوائد کا تذکرہ ہے، مذکورہ آیت میں بھی تقویٰ کے دو فائدے بتائے گئے ہیں؛ پہلا یہ کہ اس کے نتیجہ میں اللہ راستہ نکال دے گا اور دوسرا یہ کہ اللہ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اس کو سان وگمان بھی نہ ہوگا۔

آدمی کے تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کے نتیجہ میں اللہ کی جانب سے آسانی پیدا کرنے کا تذکرہ ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْراً﴾ (اور جو اللہ کا لحاظ رکھے گا اللہ اس کے لیے اس کے کام کو آسان فرمادے گا)

قرآن مجید کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ کی زندگی کے اخروی فوائد کے علاوہ دنیاوی فوائد بھی متعدد ہیں اور جس طرح ''تقویٰ'' آخرت کی کامیابی کا ایک راستہ ہے، اسی طرح یہ دنیوی مسائل کا حل بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقویٰ کے اندر دنیوی مصائب ومشکلات کا حل رکھا ہے، اس لیے اگر آدمی تقویٰ کی صحیح زندگی اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے اور اس کی دنیاوی پریشانیوں کو دور کردیتا ہے، رزق کی تنگی کو دور کردیتا ہے اور اس کے لیے ہر طرح کی سہولیات پیدا فرمادیتا ہے۔

ہمارے سامنے جو مصائب ومسائل آتے ہیں اور ان کی وجہ سے بعض مرتبہ ہمیں سخت امتحان سے گذرنا پڑتا ہے، آج بھی پوری انسانیت اور خاص طور سے اہل ایمان جن مصیبتوں سے گذر رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہیں، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر ہمیں ان مصیبتوں کا حل تلاش کرنا ہے تو ہمیں مکمل تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا پڑے گی، یعنی ہماری ظاہری زندگی بھی شریعت کے مطابق ہو اور باطنی زندگی بھی، اسی کے ساتھ ہمارے اندر اللہ سے تعلق اور اللہ کی رضا کا جذبہ بھی بنیادی طور پر موجود ہو۔ جب یہ باتیں پیدا ہوجاتی ہیں تو ظاہری اعمال کے اندر طاقت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے اگر تقویٰ کا یہ مزاج پیدا ہوجائے گا تو اللہ ہمارے مصائب ومسائل کو حل کردے گا اور انہیں دور کردے گا۔

مسائل کا حل:

موجودہ دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنی مشکلات کا حل دنیا کے تمام وسائل میں تلاش کرتے ہیں، لیکن ہماری توجہ اس چیز کی طرف نہیں جاتی جو ہمارے خالق نے ہمیں بتائی ہے، جو ہمیں پیدا کرنے والا ہے اور ہماری نفسیات کو بھی وہی بنانے والا ہے اور وہی ہمارا پورا نظام چلا رہا ہے اور وہی ہماری ہر ہر چیز سے واقف ہے۔ ہمارا وہ خالق ہم سے یہ بات کہہ رہا ہے کہ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا تمام مسائل کا حل ہے، اسی کے ذریعہ سے اللہ راستہ نکالے گا۔ لیکن بعض اوقات ہمیں یہ لگتا ہے کہ اب کیا ہوگا اور اب راستے کیسے نکلیں گے؟ اب تو لوگ بھوکوں مر رہے ہیں، فاقوں کی نوبت آگئی اور اس کے علاوہ نہ جانے کیا کیا مشکلات ہیں؟ یاد رکھئے! یہ ساری مشکلات اپنی جگہ پر ہیں، لیکن جب اجتماعی طور پر تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اللہ کی اجتماعی مدد آئے گی۔

تقویٰ کی انفرادی واجتماعی زندگی:

یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر انفرادی طور پر تقویٰ اختیار کیا جائے تو اللہ کی مدد انفرادی طور پر ہوتی ہے، لیکن اس کے اندر

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب عذاب کی شکلیں آتی ہیں تو ایسی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ بعض مرتبہ ان لوگوں کو بھی مبتلا کر دیتا ہے جو متقی ہوتے ہیں، مثل مشہور ہے کہ جب گیہوں پیسا جاتا ہے تو اس کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں، اسی لیے انفرادی طور پر تقویٰ کی زندگی میں بعض مرتبہ ممکن ہے کہ مصائب کا سامنا کرنا پڑے، لیکن اگر اجتماعی طور پر تقویٰ کی زندگی اختیار کی جائے اور اجتماعی طور پر اللہ کو راضی کرنے والی زندگی اختیار کی جائے اور اندر و باہر دونوں حیثیتوں سے محنت ہو، تو پھر ایسی صورت میں اللہ کی مدد آتی ہے۔

باطنی امراض:

ہمارا ایک عجیب مزاج یہ ہے کہ ہم اپنے ظاہری اعمال پر بعض مرتبہ بڑی محنت کرتے ہیں اور بعض مرتبہ اس کے اندر بہت تصنع بھی اختیار کر لیا جاتا ہے، لیکن اندر دل پر جو زنگ لگا ہوا ہے اس پر توجہ نہیں ہوتی، نتیجہ یہ ہے کہ ریاکاری ہوتی ہے، عجب ہوتا ہے، بڑائی کا احساس ہوتا ہے، اپنی بڑائی اور بزرگی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اس کے چرچے کیے جاتے ہیں، اس کے اسباب اختیار کیے جاتے ہیں اور کم از کم اس کے لیے جھوٹ اور مبالغہ کا سہارا لیا جاتا ہے، اس کے لیے کبھی کبھی جھوٹے خواب بھی بیان کر دیے جاتے ہیں، یا بیان کرا دیے جاتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہ وہ اندرونی امراض ہیں جو ہمارے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

اجتماعی طور پر تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کے نتیجہ میں اللہ کی مدد آتی ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً﴾ (اور جو اللہ کا لحاظ رکھے گا اللہ اس کو (مشکل سے) نکلنے کا کوئی راستہ عطا فرما دے گا)

ظاہر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ مسائل کا اجتماعی راستہ تب نکالے گا جب اجتماعی طور پر تقویٰ کی زندگی اختیار کی جائے گی۔ جب ایک کاروباری اپنے کاروبار میں سوچے گا، ایک کاشت کار اپنی کاشت کاری میں سوچے گا، ایک مدرس جو دینی تعلیم دیتا ہے اس میں سوچے گا کہ ہمارے پڑھانے کی نیت کیا ہے؟ آج ہم دنیا داروں کے بارے میں کیا کہیں، افسوس کی بات ہے کہ ہم جیسے لوگ جن کو دین دار سمجھا جاتا ہے، اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو ہمارے اندر کتنی خامیاں ہیں، ہم مدرسہ میں پڑھا رہے ہیں لیکن ہمارے اندر یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں، اللہ کا دین پڑھا رہے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کی باتیں پڑھا رہے ہیں، اللہ ہم سے راضی ہوگا، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارے پڑھانے سے ہماری عزت میں اضافہ ہوگا، چنانچہ اگر کوئی بخاری پڑھا رہا ہو اور اس سے بخاری لے کر ترمذی دے دی جائے تو وہ ناراض ہو جائے گا حالانکہ اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، آپ بخاری پڑھا رہے تھے جو اللہ کے نبی ﷺ کا کلام ہے، اب ترمذی دے دی گئی اور وہ بھی اللہ کے نبی ﷺ کا ہی کلام ہے تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ بات اصل یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا کلام پڑھانا مقصود نہیں بلکہ بخاری پڑھانا گویا ایک عزت والی بات ہے اور اسی عزت کے حصول کے لیے آدمی بخاری پڑھا رہا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک مرید کسی مدرسہ میں بخاری پڑھاتے تھے، بہت عرصہ تک وہ حضرت کی خدمت میں آتے رہے مگر ہر مرتبہ یہی کہتے کہ حضرت! فائدہ نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ نے انہیں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں بھیجا، جب وہ وہاں گئے تو حاجی صاحبؒ نے ان سے برجستہ پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ حضرت! بخاری پڑھاتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: کیا تم اپنی اصلاح کی غرض سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! اتنی دور سے سفر کر کے میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: بخاری پڑھانا چھوڑ دو۔ یہ بات گرچہ دشوار ہوئی مگر وہ سچے طالب تھے، اس لیے انہوں نے بخاری پڑھانے سے معذرت کر لی، اس کے بعد کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ ان کے اوپر ذکر کے آثار ظاہر ہوئے اور انہیں اللہ کا قرب محسوس ہونے لگا۔ پھر عرض کیا: حضرت! اتنے دن وہاں قیام کیا مگر وہ فائدہ محسوس نہیں ہوا جو آپ کی خدمت میں

حاضر ہونے کے بعد محسوس ہوا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: یہ معاملہ کسی جگہ کا نہیں ہے، مسئلہ صرف اتنا تھا کہ تمہارے اندر بخاری پڑھانے کا پندار وغرور تھا اور وہ غرور مانع تھا، اسی لیے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا، جب وہ مانع راستے سے ہٹ گیا تو فائدہ ہوگیا۔

سچی بات یہ ہے کہ تقویٰ کا مطلب صرف جبہ ودستار اور شاندار عمامہ نہیں ہے، تقویٰ یہ نہیں ہے کہ آدمی تقریر کررہا ہے یا طلبہ کو پڑھا رہا ہے اور لوگ اس کی صلاحیت پر عش عش کررہے ہیں، تقویٰ یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو خوب رلا رہا ہے اور خود بھی رو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اصلاً معتبر نہیں ہیں، جب تک کہ اس کا اثر دل پر نہ ہو اور آدمی یہ سب چیزیں اللہ کے لیے نہ کرے، اللہ معاف کرے کبھی کبھی تو رونا رلانا بھی اپنی عزت کے لیے ہوتا ہے، اگر خدانخواستہ ہمارے اندر یہ بات ہے تو ہمارے یہ سارے کام بالکل بے حقیقت ہیں اور اللہ کے یہاں ان کی کوئی قیمت نہیں، چاہے دنیا میں اس کے کچھ فوائد نظر آتے ہوں، لیکن اللہ کے یہاں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

آدمی کے اندر تقویٰ کا اصل مزاج جب ہی بنے گا جب اس کی مکمل زندگی اللہ کے حکم کے مطابق اور اللہ کے نبی ﷺ کے دیے ہوئے نظام کے مطابق ہو، اگر یہ مزاج اجتماعی طور پر بن جائے تو میں قسم کھا کر کہوں تو حانث نہیں ہوں گا کہ آج جو مصائب ومشکلات ہیں، یہ سارے مصائب انشاء اللہ یکلخت ختم ہوجائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا صاف ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً﴾ (الطلاق: ۳)

(اور جو اللہ کا لحاظ رکھے گا اللہ اس کو (مشکل سے) نکلنے کا کوئی راستہ عطا فرمادے گا)

تقویٰ کا ایک اہم فائدہ:

تقویٰ کی زندگی کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ آدمی کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو سان وگمان بھی نہ ہوگا۔ رزق کا دائرہ بہت وسیع ہے؛ رزق کھانے کا بھی، رزق لباس کا بھی، رزق علم کا بھی، رزق برکتوں کا بھی اور رزق روحانیت کا بھی، ان ساری چیزوں کا تعلق رزق سے ہے، ان میں سے ہمیں بعض کے ظاہری اسباب نظر آتے ہیں اور بعض کے ظاہری اسباب نظر نہیں آتے، لیکن حقیقت میں یہ سب چیزیں اللہ کی طرف ہی سے ملتی ہیں۔

قومی مسائل کا حل

حضرت مولانا محمد الحسنیؒ

”آج ہمارا معاشرہ جن مصیبتوں میں مبتلا ہے اس کا تعلق نہ غذا اور لباس ہے، نہ جسمانی صحت سے، نہ تنہا دماغ سے۔ یہ مصیبتیں اس دل کی پیدا کردہ ہیں جس میں خدا کا خوف نہیں رہا، اس کی مخلوق پر شفقت نہیں رہی، انسانیت کے لیے دل سوزی نہیں رہی، خالص خدا کی خوش نودی کے لیے کام کرنے کا جذبہ اور حوصلہ نہیں رہا۔ یہ وہ اصل چول ہے جو اپنی جگہ سے کھسک گئی ہے۔

آج ہمارے قومی مسائل کا حل ایمان داری اور کردار کی مضبوطی میں مضمر ہے، لیکن یہ کردار دل کی تبدیلی اور نیت اور ارادے کی تبدیلی کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، یہ بدقسمتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف آج کم سے کم توجہ کی جارہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ہر تدبیر الٹی پڑ رہی ہے اور ہر تعمیر تخریب پیدا کررہی ہے... اس ملک کے بہی خواہوں، اپنے دوستوں اور برادران وطن سے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ کردار سازی جیسے اہم بنیادی اور فوری کام کی طرف پوری توجہ کریں۔ اس لیے کہ اگر اس کام کی طرف پوری توجہ کرلی گئی تو نہ صرف ہمارے یہ منصوبے کارآمد ثابت ہوں گے بلکہ ان سے وہ حیرت انگیز اور خوش کن نتائج ظاہر ہوں گے جن کی ہمیں اس وقت توقع بھی نہیں ہے۔“ (جادۂ فکر وعمل: ۴۵-۴۶)

طلاق کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کو طلاق حسن دینے کا طریقہ:

جس عورت کو حیض نہ آتا ہو خواہ نابالغ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کے سبب بالغ ہونے پر بھی حیض نہیں آتا تو اگر کوئی اس کو طلاق سنت کے طریقہ پر طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے دے، پھر جب ایک مہینہ گذر جائے تو دوسری طلاق دے دے، پھر جب ایک مہینہ گذر جائے تو تیسری طلاق دے دے، پھر اگر چاند کے مہینے کی پہلی تاریخ کو طلاق دی ہو تو چاند کے اعتبار سے مہینے کا شمار کیا جائے گا، خواہ ۲۹ر کا ہو یا ۳۰ر کا ہو اور اگر مہینہ کے درمیان میں طلاق دی ہے تو ہر مہینہ ۳۰ر دن کا شمار کیا جائے گا، یہی حکم اس وقت ہوگا جب کسی حاملہ عورت کو طلاق دینا چاہے لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو بھی صرف ایک طلاق دے دی جائے، پھر جب تین مہینے گذر جائیں گے تو عدت ختم ہوجائے گی۔ (شامی:۲/۴۵۳-۴۵۴، ہندیہ:۱/۳۴۹)

جس عورت کو حیض نہیں آتا ہے خواہ کم عمری کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا حمل کی وجہ سے، اس کو وطی کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے، البتہ بہتر یہ ہوگا کہ وطی کے ایک ماہ بعد طلاق دے تاکہ تمام ائمہ کے نزدیک کراہت سے بچ سکے۔ (فتح القدیر:۳/۳۳۵)

غیر مدخول بہا کو طلاق:

غیر مدخول بہا عورت جس کی رخصتی نہیں ہوئی یا رخصتی ہوئی لیکن خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو اس کو طلاق حسن دینے کا طریقہ موجود نہیں ہے، اس لیے کہ جیسے ہی ایک طلاق دے گا وہ بائنہ ہوجائے گی، پھر مزید طلاق دینے کی گنجائش نہیں رہے گی اور اگر ایک کلمہ سے تین طلاق دے اور کہے کہ تمہیں تین طلاق تو یہ بدعی طلاق ہوگی، یعنی طلاق پڑ جائے گی لیکن وہ گنہگار ہوگا اور اس عورت کو حالت حیض میں طلاق دی جاسکتی ہے، یہ طلاق بدعت نہیں ہوگی، لیکن بہتر ہوگا کہ طہر کی حالت ہی میں طلاق دی جائے۔ (ہدایہ وفتح القدیر:۳/۳۳۳)

طلاق کے متفرق مسائل:

جبری طلاق:

اگر شوہر سے اکراہ (زبردستی مجبور) کرکے زبانی طلاق کے الفاظ کہلوائے جائیں تو طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن اگر اکراہ کے ساتھ زبانی طلاق کے الفاظ کہلوانے کے بجائے طلاق کے الفاظ لکھوائے جائیں تو اگر طلاق نہ لکھنے پر جان سے مارنے یا کسی عضو کو تلف کرنے یا سخت پٹائی کرنے کی دھمکی دی جائے اور مجبور کرنے والا ان چیزوں پر قدرت رکھتا ہو اور شوہر کو اندیشہ ہو کہ اگر اس نے اس کی بات نہیں مانی تو یہ ایسا کر گزرے گا، لہٰذا اس نے طلاق لکھ کر دے دی، لیکن زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہیں کیے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (شامی، کتاب الاکراہ وکتاب الطلاق:۲/۴۵۶)

اور اگر مجبور کرنے پر طلاق کا ارادہ کیے بغیر اور بیوی کا نام لیے یا اس کی طرف اشارہ کیے بغیر اور اس کو مخاطب کیے بغیر صرف "طلاق، طلاق" کہہ دیا تو طلاق نہیں پڑے گی لیکن اگر تم کو طلاق، میری بیوی کو طلاق یا بیوی کی طرف اشارہ کرکے اس کو طلاق یا نام لے کے فلانہ کو طلاق کہا تو خواہ اکراہ کے ساتھ کہے طلاق پڑ جائے گی۔ (شامی:۲/۴۶۶)

مذاق میں طلاق:

طلاق ان تین چیزوں میں سے ایک ہے جو مذاق میں کہنے سے بھی واقع ہوجاتی ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد؛ النكاح والطلاق والرجعة." (أبو داؤد: ٢١٩٤، ترمذی: ١١٨٤) (تین طلاقوں کو سنجیدگی سے کہنا بھی سنجیدگی ہے اور مذاق میں کہنا بھی سنجیدگی ہے؛ نکاح، طلاق اور رجعت)

لہٰذا اگر ہنسی مذاق میں بھی طلاق دی جائے تو واقع ہوجائے گی۔ (ہندیہ:۱/۳۵۳)

نابالغ کی طلاق:

اگر کسی بچہ کا نکاح بچپن میں کر دیا گیا تو جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، خواہ وہ باشعور ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح اس کا ولی (باپ، بھائی وغیرہ) بھی اس کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتے۔ (شامی:۲/۴۶۲، ہندیہ:۱/۳۵۳)

پاگل کی طلاق:

مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی کی کیفیت یہ ہے کہ کبھی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور کبھی ٹھیک رہتا ہے تو جب مختل الحواس رہنے کی حالت میں طلاق دے گا تو واقع نہیں ہوگی اور جب صحیح ہونے کی حالت میں طلاق دے گا تو واقع ہوجائے گی۔

(ہندیہ:۱/۳۵۳)

اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"كل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه المغلوب على عقله." (ترمذی: ۱۱۹۱) (ہر طلاق پڑ جائے گی سوائے اس مختل الحواس کی طلاق کے جو مغلوب العقل ہو۔)

بے ہوش اور سوتے شخص کی طلاق:

اگر کوئی شخص بے ہوشی کی حالت میں یا سوتے ہوئے طلاق کے الفاظ منھ سے نکالے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(ہندیہ:۱/۳۵۳، شامی:۲/۴۶۳)

اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین لوگوں سے قلم کو اٹھالیا گیا ہے (یعنی ان کے الفاظ غیر معتبر ہیں) سوتے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، نابالغ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے اور مجنون سے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہوجائے۔

"عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاث: عن النائم حتى يستيقظ..الحديث" (نسائی: ۳۴۳۲، أبو داؤد: ۴۳۹۸)

نشہ میں طلاق:

اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی نشہ آور چیز کا استعمال کرے اور نشہ بہت زیادہ نہ ہو، حواس قائم ہوں تو اگر اس حالت میں طلاق دے تو بالاتفاق طلاق واقع ہوجائے گی لیکن اگر نشہ بہت زیادہ ہوجائے، یہاں تک کہ وہ اول فول بکنے لگ جائے اور اسے اپنے اوپر قابو نہ رہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس صورت حال میں بھی طلاق دینے سے واقع ہوجائے گی اور یہ طلاق سزا کے طور پر واقع ہوگی، لیکن مشائخ احناف میں سے بعض (امام طحاوی اور کرخی) کا قول یہ ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ صاحب الدر المختار نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے اس پر فتویٰ ہونے کا ذکر کیا ہے، لیکن علامہ شامی نے اس کو تمام کتب فقہ کے خلاف قرار دیا ہے، یہ مسئلہ فقہ اکیڈمی انڈیا کے ایک اجلاس میں بھی زیر بحث آیا تھا، لیکن اس پر کوئی اتفاق نہیں ہوسکا، اس لیے اس طرح کا مسئلہ پیش آنے پر کسی اچھے صاحب علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (شامی: ۲/۴۶۰، ہندیہ: ۱/۳۵۳، نیز دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۰۴-۱۰۵)

لیکن اگر کسی کو زبردستی طلاق پلا دی گئی، یا اس نے دوا کے طور پر مجبوری کی حالت میں کسی نشہ آور دوا کا استعمال کیا اور نشہ چڑھ گیا اور اس حالت میں اس نے طلاق کے الفاظ نکال دیے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (شامی:۲/۴۶۰، ہندیہ)

اوپر جو حکم شراب کا لکھا گیا ہے صحیح قول کے مطابق یہی تمام احکام ہر طرح کی شراب کے علاوہ کسی بھی طرح کی نشہ آور چیز جیسے بھنگ، افیون، چرس اور آج کے زمانہ میں رائج دوسرے ڈرگس کا بھی ہوگا۔

(شامی:۲/۴۶۰)

غصہ کی طلاق:

غصہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے (بلکہ لوگ اکثر غصہ ہی میں طلاق دیتے ہیں جب کہ طلاق کا اقدام بہت سوچ سمجھ کر نارمل حالت میں کرنا چاہیے) لیکن اگر غصہ اتنا بڑھ جائے کہ جنون کی کیفیت ہوجائے اور بلڈ پریشر بڑھنے یا کسی اور سبب سے اس کو اسی طرح اپنے اوپر قابو نہ رہے جیسے مجنون کو اپنے اوپر قابو نہیں رہتا ہے تو اس حالت کا جنون کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(شامی:۲/۴۶۳، اعلاء السنن، كتاب الطلاق قبيل باب طلاق الأمة تطليقتان: ۱۱/۱۸۶-۱۸۷، نیز دیکھئے: کتاب المسائل:۵/۷۵)

شریعت محمدی ﷺ دائمی راہِ نجات

عبدالسبحان ناخداندوی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾(البقرة: ١٣٦)

(کہو؛ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ ابراہیم واسماعیل، اسحاق ویعقوب اور اولادِ یعقوب پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، سب پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح تمام انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے جو کچھ ملا سب پر ایمان رکھتے ہیں، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے پورے پورے فرماں بردار ہیں)

رسول اکرم ﷺ نے جب اپنی دعوت پیش فرمائی تو تمام اہل مذاہب نے اس دعوت کو اپنے لیے خطرہ سمجھا اور آپ کے لائے ہوئے دین کو ایک نیا ایجاد کردہ دین سمجھا، بعض لوگوں کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ شاید یہ کسی کو اٹھانے اور کسی کو گرانے کی سازش ہے، لوگ طرح طرح کے اندازے لگانے لگے، خود اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾

(تم مختلف باتوں میں پڑ گئے ہو)

مشرکین یہ کہتے ہوئے اٹھے؛

﴿أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ☆ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ﴾

(چلو چلو اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ، اس دعوت میں کوئی غرض پوشیدہ معلوم ہوتی ہے، ہم نے ایسی بات کسی اور ملت میں نہیں سنی، یہ تو بس ایک من گڑھت بات معلوم ہوتی ہے)

یہود نے کہا:

﴿قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾ (ہمارے دل محفوظ ہیں)

یعنی ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور نصاریٰ نے بھی کٹ حجتی کی۔

مذکورہ آیت میں اعلان عام کروایا جارہا ہے کہ یہ مبارک دعوت کسی کو گرانے یا اٹھانے کے لیے نہیں ہے، یہ کسی سے مقابلہ کے لیے بھی نہیں ہے، یہ ایک پیغام حق ہے، یہ تمام انبیاء کی صدا ہے جو صوتِ محمدیؐ کی شکل میں بلند کی جارہی ہے، یہ ہر نبی کے پیغام کی تائید کے لیے لگائی جانے والی صدا ہے، ایمان ہمارا ابراہیم سے لے کر عیسیٰ مسیح تک سب پر ہے، کسی کے درمیان نبوت ورسالت میں فرق کے ہم قائل نہیں، یہ ایک صاف حقیقت ہے جسے ماننے کی تمہیں دعوت دی جارہی ہے، تمام انبیاء اور ان کی تعلیمات پر اتری ہوئی کتابیں، سب برحق اور سب سر آنکھوں پر، ان ہی تعلیمات کا خلاصہ اس دعوت میں موجود ہے پھر لڑائی کس بات کی؟!

اسی طرح چونکہ آپ ﷺ کی شریعت نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کردیا، اسے بھی یہود ونصاری نے اپنی اپنی شریعت کی توہین سمجھا، اس آیت میں اس کا بھی جواب ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ شریعت کو شریعت سے ٹکرانے کے لیے نہیں آئے، نہ کتاب کو کتاب سے لڑانے کے لیے تشریف لائے ہیں، آپؐ اللہ کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی شریعت کا مسوخ کیا جانا اس کی توہین نہیں بلکہ اللہ کی حکمت ہے، اللہ اپنی کسی کتاب کو یا شریعت کو

منسوخ کر کے کوئی دوسری کتاب اور شریعت نازل کرے تو اس سے سابقہ کتاب اور شریعت کے تقدس پر کوئی حرف نہیں آتا، اللہ کی اتاری ہوئی ہر کتاب لائق صد ہزار تکریم اور اس کی جاری کردہ ہر شریعت ہزار دفعہ سر آنکھوں پر، اس لیے اللہ نے جس نبی پر جس وقت جو بھی اتارا، موسیٰ وعیسیٰ کو جو کچھ نصیب ہوا، ہر ہر نبی کو اس دربار سے جو بھی عطا ہوا، ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور دل کھول کر اسے سراہتے ہیں، ہم کسی نبی میں تفریق نہیں کرتے، البتہ ہماری پوری پوری فرمانبرداری اللہ کے لیے ہے، ہم اللہ کی جاری کردہ تمام شریعتوں کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے اس آخری شریعت کو اپنے لیے دائمی راہِ نجات تصور کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ کی مرضی یہی ہے کہ اس کی یہ شریعت تا ابد جاری ہو جائے، اس میں مقابلہ آرائی کا کیا سوال یہ تو حکم الٰہی کی سچی تابع داری ہے، یہ اس پوری آیت کے مطالبہ کا خلاصہ ہے جس نے ہر چیز کو انتہائی صاف صاف واضح کر دیا، اس کے بعد اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

(اے مؤمنو! تمہاری طرح یہ بھی ویسے ہی ایمان لائیں تو ان کے ہدایت یافتہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اگر اس قدر صاف بات سن کر بھی یہ منہ پھیریں تو سمجھ لو کہ یہ تم سے اپنی (خود ساختہ) دشمنی نکالنا چاہ رہے ہیں، تو ان سب سے نمٹنے کے لیے آپ کے واسطے اللہ کافی ہے، وہ سب سن رہا ہے جان رہا ہے۔)

قولوا آمنا باللہ؛ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخصیت کا نبی ہونا معلوم ہو ان پر نام کی تعیین کے ساتھ ایمان رکھا جائے، بقیہ تمام انبیاء پر اجمالاً ایمان کافی ہے، بعض یہود نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ کن انبیاء پر ایمان رکھا جائے، اس آیت میں اس کا بھی جواب موجود ہے یعنی اللہ نے جس کسی کو نبی بنایا اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں، یہ ویسے ہی ہے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر کتاب پر ایمان رکھنے کا حکم دیا ہے۔

وقل آمنت بما أنزل الله من كتاب؛

کہیے اللہ نے جو بھی کتاب اتاری میرا اس پر ایمان ہے۔

الأسباط؛ اولاد یعقوب کو "أسباط" کہتے ہیں، یہ بارہ تھے، جن سے بارہ بڑے بڑے قبائل وجود میں آئے، "أسباط" کا مفرد "سِبْطٌ" ہے، بنی اسرائیل میں سبط کی وہی حیثیت ہے جو بنی اسماعیل میں قبیلے کی ہے، مسلسل اور تتابع کو "سَبْطٌ" کہتے ہیں، چونکہ اولاد یعقوب لگاتار پھیلتی چلی گئی، اس لیے ان کو "أسباط" کہا گیا، "الأسباط" سے مراد مخصوص جماعت نہیں بلکہ حضرت یعقوب کی کل نسل کو "أسباط" کہتے ہیں، اس لحاظ سے "الأسباط" سے مراد نسل یعقوب میں پیدا ہونے والے تمام انبیاء مراد ہیں، بعض حضرات نے حضرت یوسف کے بقیہ بھائیوں کو بھی نبی بتایا ہے، اس لیے کہ وہ سب "الأسباط" تھے، لیکن یہ قول انتہائی ضعیف ہے، یہاں مراد حضرت یعقوب کی خاص صلبی اولاد نہیں بلکہ آپ کے ذریعہ چلی ہوئی نسل مراد ہے۔

لا نفرق بين أحد منهم؛ تعریض ہے یہود پر جو یہ کہتے تھے:

﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾

(ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں)

آیت نے بتا دیا کہ سلسلہ نبوت انتہائی مضبوط و مربوط سلسلہ ہے، اس کی کسی بھی کڑی کا انکار کرنا گویا کل سلسلہ کو نہ ماننا ہے۔

انبیاء ورسل کو ایک دوسرے سے جدا کر کے دیکھا نہیں جا سکتا، کسی ایک نبی کی بے حرمتی اور بے ادبی کل سلسلہ نبوت کے ساتھ بے وفائی ہے۔ جو مقررین اور واعظین مدح نبی ﷺ کے نام پر بسا اوقات اور انبیاء کی تنقیص کرتے ہیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کے بھی وفادار نہیں، تقابل کے بغیر آنحضرت ﷺ کی مدح وتوصیف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فلسطینی بھائی بہنوں نے صحابہ کی یادیں تازہ کردیں

مولانا محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوری

نبیؐ کے زمانے سے دور، بہت دور چودہ سو چوالیس سال گذرنے کے بعد کیا آج کے زمانے میں بھی؛ جوفتنوں کا زمانہ ہے، کیا اس کا تصور کیا جاسکتا تھا کہ آج کے زمانے میں ان خیر القرون کے لوگوں، نبی کے اشاروں پر اپنی جانیں فدا کرنے والے حقیقی ایمان والوں کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ بھی موجود ہوں گے اور وہ بھی صرف مرد نہیں عورتیں بھی بلکہ ننھے ننھے بچے بھی، سبحان اللہ ہم اپنی لاکھ حرماں نصیبیوں کے باوجود خوش نصیب ہیں کہ ہم نے ان سچے مسلمانوں اور حقیقی مؤمنوں کا زمانہ پایا اور اسلام کی راہ میں ان کی عظیم قربانیوں کو دیکھ رہے ہیں، کبھی کبھی تعجب ہوتا ہے کہ آخر یہ کس مٹی سے بنے ہوئے لوگ ہیں، ان کا ایمان کتنا طاقتور ہے، اللہ و رسول سے انھیں کس قدر محبت ہے، مسجد اقصیٰ کی حفاظت و بازیابی کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا کیسا جذبہ بیکراں ہے ان کے سینوں میں کہ گھر کے گھر ملبوں میں تبدیل ہوگئے، خاندان کے خاندان اجڑ گئے، باپ کی نظر کے سامنے بیٹا شہید ہورہا ہے، بیوی کے سامنے شہید شوہر کی نعش لائی جارہی ہے اور حد تو یہ ہے کہ ننھی ننھی سی معصوم جانیں، ماں باپ کے جگر گوشے ان کی نظروں کے سامنے دم توڑ رہے ہیں مگر کیا مجال کہ کسی ایک کی زبان پر بھی حرف شکایت آجائے، کسی ایک نے بھی شدت غم میں تقدیر خداوندی کے خلاف کوئی بات کہہ دی ہو، نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہاں تو صرف "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" (اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) کے زمزمے ہیں، اللہ اکبر کے نعرے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون کی رٹ ہے، أللھم تقبل شھداء نا (کہ اے اللہ! ہمارے شہیدوں کو قبول فرما) کی فریاد ہے، لڑتے لڑتے جب کوئی مجاہد جام شہادت نوش کررہا ہے تو اس کے جنازہ میں "لا إله إلا الله والشهيد حبيب الله" (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہید اللہ کا محبوب ہے) کے ترانے پڑھے جارہے ہیں، ماؤں نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ کردی، جب انھوں نے قادسیہ کی جنگ میں اپنے چار چار بیٹوں کو قتال پر ابھارتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے میرے بچو! تم نے اپنی چاہت سے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی ہے، خدا کی قسم تم سب ایک باپ کے فرزند اور ایک ماں کی اولاد ہو، ایسی ماں جس نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا، نہ تمہارے حسب ونسب کو بٹہ لگایا اور تم اچھی طرح جانتے کہ اللہ تعالی نے کافروں سے لڑنے پر کیسا عظیم ثواب لکھ دیا ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ باقی رہنے والی آخرت فنا ہوجانے والی دنیا سے کہیں بہتر ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿یا أیھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون﴾ (اے ایمان والو! صبر کرو اور آپس میں ایک دوسرے کی ہمت وڈھارس بندھاؤ اور مورچہ بند ہوجاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوسکو)، لہٰذا جب تم کل صبح اچھی حالت میں صبح کرو تو اچھی طرح چوکنا ہوکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے اور اپنے دشمنوں پر اللہ سے مدد کی امید لگائے ہوئے نکل جانا اور جب تم دیکھنا کہ جنگ کی آگ بھڑک چکی ہے اور گھمسان کا رن پڑچکا ہے تو تم بھی میدان میں کود جانا اور دشمن کے سردار کا سر قلم کردینا یقیناً تم ہمیشہ رہنے والے گھر میں مال غنیمت اور عزت وکرامت سے سرفراز ہوگے اور جب ان کے چاروں بیٹوں کی شہادت کی خبر ان تک پہنچی تو انہوں نے کوئی بھی غم کا مرثیہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ان کی شہادت سے سرفراز فرمایا اور میں اللہ سے امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں ان کے ساتھ جمع فرمادے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حقوق نسواں

محمد امین حسنی ندوی

عورتوں کے حقوق کو لے کر اسلام پر اعتراضات پہلے بھی کیے گئے ہیں اور اب بھی کیے جارہے ہیں اور آئندہ بھی کیے جاتے رہیں گے، اس عنوان سے اسلام پر اعتراض کرنے والے یا تو وہ جاہل ہیں جو نہ اسلام کی تعلیمات سے واقف ہیں اور نہ اسلام سے پہلے عورت کی حالت سے، یا دل کے وہ روگی ہیں جو جانتے تو سب کچھ ہیں لیکن حسد، کینہ اور عداوت نے ان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر رکھا ہے، یا پھر وہ بے چارے ہیں جو صرف سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں، یعنی بینا ہوتے ہوئے بھی نابینا بن جاتے ہیں، آیئے اب دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے توسط سے اسلام نے عورت کو کیا دیا۔

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب معاشرہ میں عورت کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا، سورہ نحل کی یہ آیت اس کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دیتی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ، يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (جب انہی میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو وہ اندوہناک ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے؟ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بُری ہے۔)

اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں جب کسی کا شوہر مر جاتا تو اس کے بیٹے اور رشتے دار اس کی بیوی کے وارث ہو جاتے، اگر وہ چاہتے تو کسی سے اس کی شادی کر دیتے اور اگر چاہتے تو اس کو شادی کرنے سے روک دیتے اور اس کو قید کر دیتے یہاں تک کہ وہ گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔ قرآن کریم میں عورت اور مرد کے درمیان مساوات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے حتی کہ ایمان، عمل جزا وسزا میں بھی عورت اور مرد کو برابر رکھا گیا ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (الأحزاب: ۳۵) (بے شک مسلمان مرد، اور مسلمان عورتیں، اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں، اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، سچے اور کھرے مرد اور سچی اور کھری عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور عظیم اجر کا انتظام فرما رکھا ہے۔)

دوسری جگہ فرمایا:﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الغافر: ۴۰) (جو برے کام کرے گا اس کو بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔)

آپ ﷺ نے فرمایا: "من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة أنا وهو، وضم بين أصابعه" (جس نے دو بچیوں کی

پرورش کی یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو میں اور وہ اس طرح ہوں گے (آپ نے دوانگلیوں کو ملا کر بتایا۔) (مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا:"من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخواتٍ، أو بنتان، أو أختان، فأحسن صحبتهنَّ، واتقّى الله فيهنّ، فله الجنّة" (جس کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں وہ ان کی اچھی تربیت کرتا ہو اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا ہو، تو اس کے لیے جنت ہے۔) (ترمذی)

''نبی کریم ﷺ عورتوں کی تعلیم کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، آپ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک دن مخصوص کر رکھا تھا، اس دن وہ سب جمع ہوتیں اور آپ ان کو تعلیم دیتے۔'' (مسلم)

آپ ﷺ نے عورتوں کے بارے میں فرمایا:"استوصوا بالنساء خيراً" (سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھو۔)

نبی ﷺ نے شوہروں کو بیویوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی، آپ ﷺ نے فرمایا:"انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا اجرت عليها، حتى ماتجعله في فيّ امرأتك" (تم جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہو اس پر تم کو ضرور اجر ملے گا یہاں تک کہ جو کچھ اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔) (متفق علیہ)

نبی کریم ﷺ نے مردوں سے کہا کہ سب سے بہترین خرچ وہ خرچ ہے جو مرد اپنے اہل وعیال پر کرتا ہے:"أفضل دينا ر، دينار ينفقه الرجل على عياله" (سب سے بہتر اور مبارک رقم وہ ہے جو آدمی اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرے۔) (مسلم)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی میزان عمل میں سب سے پہلے جو عمل رکھا جائے گا وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کا نیک عمل ہے۔ (رواہ الطبرانی)

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن الرجل إذا اسقى أمرته من الماء أجر" (شوہر جب اپنی بیوی کو پانی پلاتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔) (احمد)

حضرت عرباض بن ساریہؓ نے جب یہ حدیث سنی تو فوراً پانی کی طرف لپکے پانی لے کر اپنی اہلیہ کے پاس آئے، پانی پلایا اور پھر ان کو یہ حدیث بیان کی جو آپ ﷺ سے سنی تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:"خيارکم خيارکم لنسائهم" (تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو) (الترمذی)

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے خود سیتے تھے، اپنی چپل خود ٹانکتے تھے، اور جس طرح دوسرے لوگ اپنے گھروں کے کام کرتے ہیں اسی طرح آپ بھی گھر کے کام کیا کرتے تھے۔'' (مسند احمد)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''شوہر کو بیوی سے کسی بات پر ناراض نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ اگر اس کو بیوی کی ایک بات بری لگے گی تو ضرور دوسری کوئی بات اس کو اچھی بھی لگے گی۔'' (مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ میں سب سے زیادہ دو کمزوروں کے حق کی تاکید کرتا ہوں اور اس کو اہم قرار دیتا ہوں یتیم اور عورت۔''

آپؐ نے بغیر اطلاع کے رات میں گھر جانے سے منع کیا۔

حضرت اسودؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور ﷺ کا اپنی بیویوں کے ساتھ کیا رویہ رہتا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ گھر کے کاموں میں ان کی مدد فرماتے، نرمی ومحبت سے گفتگو کرتے، ہر طرح ان کے آرام، ان کی راحت اور ان کی خوشی کا خیال فرماتے تھے، آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

''میں سمجھ جاتا ہوں کہ کب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کب ناراض، انہوں نے کہا، وہ کیسے اے اللہ کے رسولؐ؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ محمد کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم، حضرت عائشہ نے کہا! آپ نے صحیح فرمایا: اے اللہ کے رسول! میرے دل سے آپ کی محبت کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔''

پارلیمانی انتخابات اور مسلمانوں کی ذمہ داری

محمد ارمغان بدایونی ندوی

اس وقت پورے ملک میں پارلیمانی انتخابات کا ماحول ہے۔ تادم تحریر اس کے دو مرحلے گذر چکے اور ابھی پانچ مرحلوں میں الیکشن ہونا باقی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ الیکشن کے زمانہ میں حکمراں طبقہ کا عوام سے ربط بڑھ جاتا ہے اور عوام کو بھی اپنے لیڈروں کی شکل میں ایک روشن مستقبل نظر آنے لگتا ہے۔ حکمراں اور عوامی طبقہ کا یہی وہ آمیزہ ہے جو انہیں الیکشن کے زمانہ میں باہم مربوط کر دیتا ہے، تمام سیاسی لیڈران جگہ جگہ سیاسی اجلاس کرتے ہیں، سیاسی جلوس نکالتے ہیں اور گھر گھر پہنچ کر عوام سے ووٹ مانگتے ہیں اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی یقین دہانی کراتے ہیں نیز ان کے سامنے بے شمار نا پورے ہونے والے وعدے بھی کرتے ہیں اور بے چارے عوام ان سیاسی بازی گروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

افسوس کی بات ہے کہ ہر سیاسی امیدوار اور سیاسی جماعت کے منشور میں لمبے چوڑے وعدوں کی فہرست ہوتی ہے لیکن زمینی سطح پر ملک کا تعلیمی معیار بلند کرنے، انفراسٹرکچر کو مضبوط کرنے، اس کی معیشت کو درست کرنے، بے روزگاری کو ختم کرنے اور سب سے بڑھ کر پورے ملک میں امن وامان کی فضا قائم کرنے اور بدعنوانی کا بازار بند کرنے کا وعدہ یا دعویٰ یقینی طور پر کوئی سیاسی رہنما یا سیاسی جماعت نہیں کرتی۔

اس افسوس ناک صورت حال کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ الیکشن کا نظام خالص جمہوری قدروں پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کا شیش محل مذہب وتہذیب اور ذات برادری کی بنیادوں پر تعمیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے موقع پر سیاسی جماعتیں ووٹ مانگتے وقت سامعین کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کرتی ہیں اور اسی کے مطابق ان کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوششیں کرتی ہیں، انہیں بخوبی معلوم ہے کہ ہمیں ووٹ کی طاقت ملک کے اندر تعمیری اور مثبت کام کرنے کے بجائے مذہب کے نام پر دشمنی کا زہر گھول کر حاصل ہوسکتی ہے یا ذات برادری کے لڑائی جھگڑوں کو فروغ دے کر، یہ وہ گھناؤنی ذہنیت ہے جس کی تکمیل کے لیے خواہ انہیں انسانی خون کی ہولی کھیلنے پڑے اور خواہ پورا ملک بارود کے ایک ڈھیر پر آ کر کھڑا ہو جائے، اس کی انہیں ذرا بھی پرواہ نہیں بلکہ ان کے سامنے محض ایک ہی ہدف ہوتا ہے کہ وہ ملک میں کس طرح اقتدار حاصل کر سکتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ حکومت اور اقتدار کے حصول کی یہی وہ ناجائز طلب اور چاہت ہے جس نے پورے ملک کو کھوکھلا بنا کر رکھ دیا ہے۔

مذہب اور ذات برادری کی بنیاد پر اس گندی سیاست کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستانی عوام اور بالخصوص یہاں کی اقلیتیں کسی شعبہ زندگی میں خود کو محفوظ تصور کرنے سے قاصر ہیں، اس لیے کہ بقول حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ''انتظامی ابتری، فرض ناشناسی، رشوت خوری اور پیسہ کا لالچ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔'' ظاہر ہے ملک کے اندر ان مفاسد کے پھیلنے کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ حکومتوں کو ان کی اصلاح میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ ان کی دلچسپی تو اس میں ہے کہ ملک کے اندر سوئے ہوئے فتنوں کو کیسے جگایا جائے، مذہب اور ذات برادری کی بنیاد پر آپس میں کیسے لڑایا جائے اور پھر اس کے ذریعہ ووٹ بینک کو کیسے مضبوط بنایا جائے؟! اسی لیے سیاسی جماعتیں کسی ملک گیر عوامی اصلاحی مہم چلانے کے بجائے ایسی شر پسند طاقتوں کو ہوا دیتی ہیں جو ملک کے حالات کو خراب کرنے میں معاون ہوں۔

ہمارے ملک کا یہ وہ المیہ ہے جس کی اصلاح کی توقع کسی بھی سیاسی جماعت کی فتح وکامرانی یا شکست وریخت سے نہیں کی جاسکتی، سچی بات تو یہ ہے کہ تقریباً سبھی سیاسی جماعتوں کا منہج سیاست یکساں ہے، تاہم ان میں سے بعض کا ضرر کم اور بعض کا زیادہ ضرور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ملک کے سیاسی رہنماؤں نے سیاسی نظام کو اس حد تک غلیظ کر دیا ہے کہ اس کی اصلاح کا علَم اٹھانے والے کو بھی محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا، ہر سیاسی لیڈر خواہ کتنے ہی بلند دعوے رکھتا ہو لیکن گردش زمانہ سے اس کی ساری حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جمہوری طرز حکومت کے اس متعفن نظام کی اصلاح کسی لیڈر کے اصلاحی دعووں سے زیادہ عوام کے آہنی عزم اور عاقلانہ نظم پر موقوف ہے۔ ہر پانچ سال کے بعد جمہوریت کا ڈھنڈورہ پیٹنے کی بنیاد پر عوام کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان سیاسی رہنماؤں کو آئینہ دکھا سکیں، لیکن ایک لمبے چوڑے ملک میں یہ بات کسی ایک فرد اور کسی ایک برادری کے ذریعہ ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے دور اندیشی کے ساتھ ایک ٹھوس پالیسی کی ضرورت ہے تاکہ ملک کا ایک ایک ووٹ صحیح جگہ پر استعمال ہو سکے اور سیاسی لیڈروں کو ان کی حیثیت کا اندازہ ہو سکے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک طرف اگر سیاسی نظام از حد ابتر اور مفلوج ہے، تو دوسری طرف ہمارے عوام بھی انتہائی ناسمجھی کا ثبوت دیتے ہیں، بعض اوقات وہ اپنا ووٹ چند محدود ذاتی اغراض کی بنیاد پر فروخت کر دیتے ہیں، اگر کوئی سیاسی بازی گر انہیں چند ٹکوں کا لالچ دے دے تو وہ اپنے گرد و پیش کے تمام حالات سے بے خبر ہو جاتے ہیں، یا اگر کوئی سیاسی لیڈر ان کے سامنے مذہب کی بنیاد پر جذباتی گفتگو کر دے تب بھی وہ اپنی ساری کلفت بھول جاتے ہیں اور اس طرح ہر مرتبہ ایک نا اہل آدمی کو کرسی کا حق دار بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا ملک روبہ زوال ہے۔

بلاشبہ الیکشن کے موقع پر ملک کی ہر کمیونٹی اور ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ووٹ کی قیمت اور اہمیت کو سمجھے اور اس کے صحیح استعمال کا پرزور داعی بھی بنے، لیکن اس سلسلہ میں سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے جن کی حالت موجودہ دور میں محض سیاسی مہروں کی رہ گئی ہے اور ہر سیاسی فریق کی نظر میں ان کی حیثیت شطرنج کی بساط سے زیادہ نہیں ہے۔ آزاد ہندوستان کی تمام اقلیتوں میں مسلمان واحد وہ قوم ہے جن کی تعداد اکثریت سے آنکھیں ملاتی ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ ملک کی اتنی بڑی اقلیت ہونے کے باوجود بھی ان کا اس ملک کی سیاست میں کوئی خاص سیاسی وزن نہیں ہے۔ اس کے من جملہ اسباب میں سے ایک بنیادی سبب خود انہی کی غیر دانش مندی بھی ہے، اگر مسلمانوں نے اس ملک میں سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا ہوتا تو شاید تصویر کا رخ دوسرا ہوتا۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض نے سیاست کے میدان کی فتح یابی کے لیے عملاً اس میں دخیل ہونا ضروری سمجھا تو وہ بھی اسی کی غلاظت کا ایک حصہ بن کر رہ گئے اور بعض نے اس غلاظت سے ایسی کنارہ کشی اختیار کرنا فرض سمجھی کہ وہ سیاسی میدان میں اچھوت ہی تصور کر لیے گئے۔ ضرورت تھی ایک متوازن طرز فکر و عمل کی جو اس ملک میں ان کی حیثیت کو باوزن اور بلندی عطا کرتا اور اس ملک کی سیاست کا مدار انہی کی دانش مندی پر موقوف سمجھا جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر آج بھی پورے ملک کے طول و عرض میں ہندوستانی مسلمان دانش مندی کا ثبوت دیں اور ان کا کل ووٹ برمحل استعمال ہو اور ان کا ووٹ ضائع ہونے سے بچ جائے تو وہ یقیناً ہر الیکشن میں اپنا اثر دکھا سکتے ہیں اور اپنا وزن تسلیم کرا سکتے ہیں۔

2024ء کا پارلیمانی الیکشن جو حقیقت میں اس ملک کی قسمت کے لیے فیصلہ کن الیکشن ہے، اس میں ملک کے تمام باشندوں کے علاوہ سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی سیاسی بصیرت کا بھی بہت بڑا امتحان ہے، ضرورت ہے کہ ہر علاقہ میں وہ اپنے ووٹ کی قیمت کو پہچانیں اور پوری سیاسی بصیرت کے ساتھ ایسے فرد یا فریق کو اپنا ووٹ دیں جس کا ضرر اس ملک اور مسلمانوں کے حق میں کم سے کم ہو، لیکن اگر انہوں نے اس مرتبہ بھی چند محدود ذاتی منافع پر قناعت کر لی تو یقیناً اس کا خسارہ ہر ایک کو ہوگا اور خاص طور پر مسلمانوں کو ایک آزاد فضا میں اپنے قومی و ملی شعائر کے ساتھ زندگی گذارنا مشکل ہوگا۔ موجودہ ناگفتہ بہ حالات میں مسلمانوں کو اپنے ووٹ کی طاقت سمجھنا چاہیے اور اس کو ایک ملی فریضہ سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ حصہ لینا چاہیے، انشاء اللہ ہمارا ایک ووٹ ہی ہندوستان کی سیاسی قسمت بدلنے کے لیے کافی ہوگا۔

ووٹ کے صحیح استعمال کی ضرورت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

’’موجودہ دور کی گندی سیاست نے الیکشن اور ووٹ کے لفظوں کو اتنا بدنام کردیا ہے کہ ان کے ساتھ مکر وفریب، جھوٹ، رشوت اور دغابازی کا تصور لازم ذات ہوکر رہ گیا ہے۔ اسی لیے اکثر شریف لوگ اس جھنجھٹ میں پڑنے کو مناسب ہی نہیں سمجھتے اور یہ غلط فہمی تو بے حد عام ہے کہ الیکشن اور ووٹوں کی سیاست کا دین ومذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔

شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾

(اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے۔)

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس کو کسی شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا۔‘‘

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دین داری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یوں بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر شریف، دین دار اور معتدل مزاج کے لوگ انتخابات کے تمام معاملات سے بالکل یکسو ہوکر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ یہ پورا میدان شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ رہے ہیں۔

بعض لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ لاکھوں ووٹوں کے مقابلہ میں ایک شخص کے ووٹ کی کیا حیثیت ہے؟ اگر وہ غلط استعمال بھی ہوجائے تو ملک وقوم کے مستقبل پر کیا اثر انداز ہوسکتا ہے؟ لیکن خوب سمجھ لیجیے کہ اول تو اگر ہر شخص ووٹ ڈالتے وقت یہی سوچنے لگے تو ظاہر ہے کہ پوری آبادی میں کوئی ایک ووٹ بھی صحیح استعمال نہیں ہوسکے گا، پھر دوسری بات یہ ہے کہ ووٹوں کی گنتی کا جو نظام ہمارے یہاں رائج ہے اس میں صرف ایک اَن پڑھ، جاہل شخص کا ووٹ بھی ملک وملت کے لیے فیصلہ کن ہوسکتا ہے، اگر ایک بے دین، بدعقیدہ اور بدکردار امیدوار کے بیلٹ بکس میں صرف ایک ووٹ دوسروں سے زیادہ چلا جائے تو وہ کامیاب ہوکر پوری قوم پر مسلط ہوجائے گا۔ اس طرح بعض اوقات صرف ایک جاہل اور اَن پڑھ انسان کی معمولی سی غفلت، بھول چوک یا بددیانتی بھی پورے ملک کو تباہ کرسکتی ہے۔ اس لیے مروجہ نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے اور یہ ہر فرد کا شرعی، اخلاقی، قومی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو اتنی توجہ اور اہمیت کے ساتھ استعمال کرے جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے۔‘‘

(ملخص؛ فقہی مقالات: ۲/ ۲۸۷-۲۹۵)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 16 ⚜ May 2024 ⚜ Issue: 05

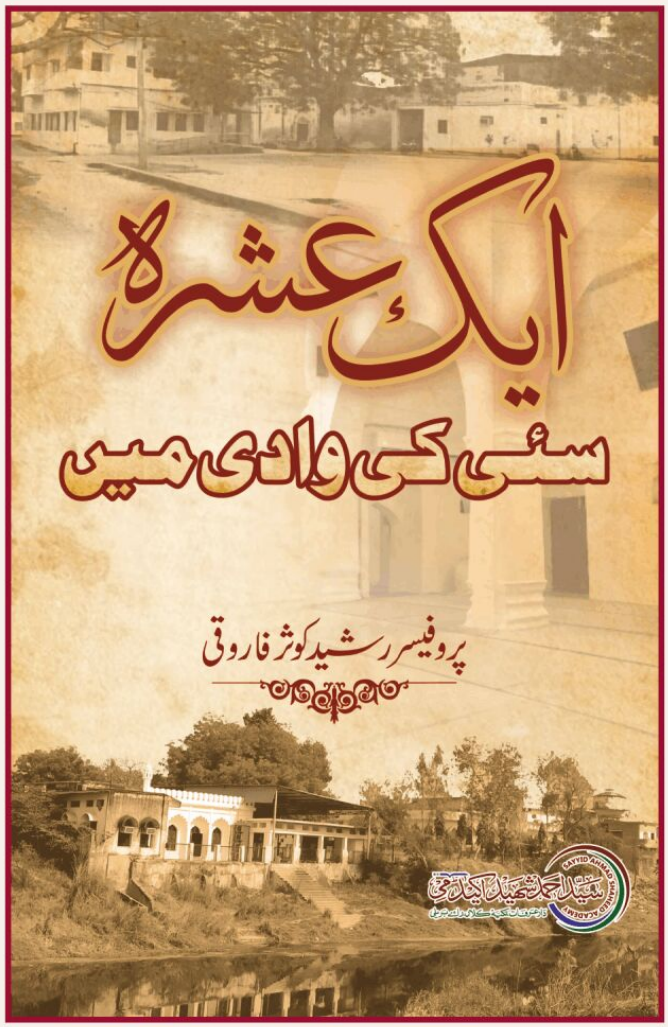

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)